8

انفاق فی سبیل اللہ
اور
قومی و انفرادی ترقی کے حصول کے ذرائع

(فرمودہ ۶ مارچ ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

آج سے تین ہفتہ پہلے میں نے ایک چندے کی تحریک کی تھی۔ جس میں خدا کے فضل سے بہت کامیابی ہوئی ہے اور جماعت کے مخلصین نے بڑی گرم جوشی سے اسے قبول کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس قدر روپیہ کا استعمال اس زمانہ میں ہوتا ہے۔ پہلے زمانہ میں نہیں ہوتا تھا۔ پہلے تو ایک گھر جس کے لوگ کھدر بنتے تھے وہ اتنا بنتے تھے کہ ان کی گھر کی ضروریات سے بچ رہتا تھا اور روپے کی بجائے وہ بقیہ کھدر کے بدلے کچھ اور سامان لے لیتے تھے۔ کھانے پینے کا سامان لے لیا۔ جوتے لے لئے یا لکڑی اور لوہے کا سامان لے لیا۔ اس وجہ سے پرانے زمانہ میں اس قدر مال کی احتیاج نہ تھی جتنی کہ آج کل ہے۔

آج کل تو ہر ایک چیز کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ گو مالی احتیاج سب لوگوں کی ہی بڑھی ہوئی ہے۔ مگر ہماری جماعت کے لوگوں کے لئے سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ ہماری جماعت کے لوگ عام طور پر غرباء ہیں اور پھر غرباء بھی مظلوم غرباء - ہندوستان میں ہمارے دشمن ہماری جماعت کو جو نقصان پہنچاتے ہیں وہ بھی زیادہ تر مالی حالت پر ہی اثر ڈالتا ہے۔ چونکہ زیادہ حصہ ہماری جماعت کا ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے ہمارے دشمن گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں ایسا طریقہ ظلم تو ہماری جماعت کے لوگوں کے ساتھ نہیں برت سکتے جس کی وجہ سے گورنمنٹ کی گرفت میں

آسکیں۔ مگر جو کچھ ان سے ہو سکتا ہے اس سے باز نہیں رہتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ مالی رنگ میں ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی احمدی دوکاندار ہے تو سودا وغیرہ اس سے لینا بند کر دیں گے۔ یا اگر احمدی کہیں ملازم ہے تو کوشش کر کے اس کو نکال دیں گے اور دوسرے کو وہاں نوکر کرا دیں گے۔ یا احمدی کی ترقی بند کرا دیں گے۔ یا اگر شادی شدہ ہے تو اس کی بیوی کو گھر میں روک لیں گے اور اس کے زیورات پر قبضہ کر لیں گے۔ اگر وہ کوئی اور شادی کرے گا تو پھر روپیہ اسے خرچ کرنا پڑے گا۔ غرض ہندوستان کے دشمنوں کے مظالم کا اثر زیادہ تر ہماری جماعت کی مالی حالت پر ہی پڑتا ہے۔ ان کی طرف سے اور مظالم بھی کئے جاتے ہیں مگر ان کا بڑا حصہ وہی ہے۔ کہ جس سے ہماری جماعت کو مالی نقصان پہنچتا ہے۔

پس ایسی کمزور اور مظلوم جماعت کا دینی خدمات اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اس فراخدلی سے اپنے مالوں کو قربان کرنا بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ جو اخلاص ہماری جماعت کو دیا گیا ہے اور جس کا نمونہ ہر موقع پر دیکھا گیا ہے وہ بھی خدا کا خاص عطیہ ہے۔ جب کبھی بھی چندے کی تحریک کی جاتی ہے۔ وہ جس ارادہ اور نیت سے کی جاتی ہے اور اس میں جتنی کوشش اور سعی کی جاتی ہے اس کا جواب بھی ویسا ملتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ پچھلی دفعہ جب ایک ایسی ہی تحریک کی گئی تو مجھے خیال آیا تھا کہ کہیں جماعت پر یہ چندہ بوجھ نہ ہو۔ اس وجہ سے میں نے لوگوں کی کمزوری کا خیال رکھا۔ آخر جس طرح اس تحریک میں لوگوں کا خیال رکھا گیا ویسے ہی وہ تحریک بھی لڑکھڑاتی ہوئی نکلی۔ لیکن اس دفعہ بہت سے خرچ کے بعد اور پھر ایسے وقت میں جب کہ غلہ بہت گراں ہو گیا ہے۔ آٹا اس وقت کی نسبت قریب نصف کے ہو گیا ہے۔ گویا خرچ آگے سے تین گنا زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ اس وجہ سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ یہ تحریک جماعت پر زیادہ بوجھ ہو گی۔ مگر جس قدر زیادہ زور کے ساتھ اس تحریک کو پیش کیا گیا اسی قدر زیادہ زور اور اخلاص کے ساتھ جماعت نے اس کا جواب بھی دیا ہے۔ پچھلے سال کی تحریک میں تو جتنا بھروسہ کیا گیا تھا وہ جماعت کے اخلاص پر کیا گیا تھا۔ اگرچہ اخلاص بھی جماعت میں خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ لیکن اب کے جو تحریک میں نے کی ہے اس کے آخری حصہ میں میں نے خدا تعالیٰ سے دعا بھی کی ہے کہ جو اس تحریک میں حصہ لیں اور جو اس تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش اور سعی کریں ان پر اپنے خاص فضل اور برکتیں نازل فرمائے اور اس دعا کے تتبع میں میں ہر نماز میں بالالتزام دعا کرتا ہوں۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ جو لوگ اس تحریک میں حصہ لیں گے اور اس کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے کی کوشش

کریں گے خدا تعالیٰ ضرور ان پر اپنے خاص فضل اور برکتیں نازل فرمائے گا۔ پس اس کی طرف میں پھر اپنی جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کی طرف متوجہ ہوں۔ میں اس امر پر خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہماری جماعت میں ایسا اخلاص پیدا کیا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لئن شکر تم لا زیدنکم خدا تعالیٰ کی جس نعمت کا شکر کیا جاتا ہے اس میں وہ اوراضافہ فرما دیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میرے خیالات کا ایک اور پہلو بھی ہے جس کو کم اہم سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ وہ بھی بہت اہم ہے اور اس کے لئے بھی بہت زیادہ قربانیوں کی ضرورت ہے۔

اس وقت دنیا میں ایسی قوم جس کی طاقت اور جس کی قربانیاں دشمن کے مقابلہ میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتیں وہ وہ جماعت ہے جو احمدی جماعت کہلاتی ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں تاریخ میں حضرت آدمؑ کے زمانہ سے لے آج تک کسی قوم کے ذمہ اتنا بڑا کام نہیں ہوا جتنا کہ ہمارے ذمہ ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ تمام گزشتہ قوموں سے بڑا کام ہمارے ذمہ ہے۔ پھر بھی ہماری قربانیاں ابھی تک پہلی قوموں سے بڑھ کر تو الگ رہا ان کے برابر بھی نہیں۔ بعض تو ایسی قربانیاں ہیں جن کے کرنے میں ہماری طرف سے کوتاہی ہے۔ لیکن بعض ایسی بھی ہیں۔ جن کے لئے ابھی تک ہم سے مطالبہ نہیں کیا گیا اور میں جانتا ہوں کہ اگر مطالبہ کیا گیا تو جماعت کا بیشتر اور اکثر حصہ ان قربانیوں کے لئے تیار ہو جائے گا۔ مثلاً ہندوستان میں چونکہ ابھی تک جانی قربانی کا موقع ہماری جماعت کو پیش نہیں آیا۔ اس لئے اس سے جانی قربانی کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ہندوستان میں ہی بیشتر حصہ جماعت کا ایسا ہے کہ اگر اس سے جانی قربانی کا مطالبہ کیا جائے۔ تو وہ انشاء اللہ کابل کی جماعت سے پیچھے نہ رہے گا۔ یہ خدا تعالیٰ کی مشیت کا تقاضا ہے کہ ہمیں ابھی ایسی قربانی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن اگر وہ چاہے تو ہم میں سے بہت کم ہوں گے جو نعوذ باللہ یہ کہہ دیں گے کہ ہم ایسے ایثار اور قربانی کے لئے تیار نہیں ہیں اور بہت ہیں جو یہ خیال کر کے ہی خوشی اور لذت محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں بھی ایسا موقع نصیب ہو۔ لیکن باوجود اس کے کہ ان کو اس قسم کی قربانی کا موقع اس لئے نہیں ملا کہ اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ تاہم ایسی قربانیوں کا موقع ان کے لئے موجود ہے جو بظاہر چھوٹی نظر آتی ہیں لیکن ان کے نتائج اتنے ہی بڑے ہوتے ہیں جتنے جان کی قربانی سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ جماعت کو ان قربانیوں کی طرف خاص توجہ کرنی چاہیے۔ ان ہی میں سے ایک مالی قربانی ہے۔ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ مگر میں اس وقت اس حصہ کے بیان کرنے کے لئے کھڑا نہیں ہوا۔

آج جس حصہ کے بیان کرنے کے لئے میں کھڑا ہوا ہوں۔ وہ ایک شبہ ہے جو اس تحریک کے متعلق پیدا ہوا ہے۔ جو چندہ کے متعلق کی گئی ہے۔ دو خط مجھے پہنچے ہیں۔ ایک بھیرہ سے اور ایک سیالکوٹ سے۔ ایک کے نیچے تو نام لکھا ہے مگر ایک بے نام ہے۔ خطوط لکھنے والوں نے اپنے خط میں یہ شبہ پیش کیا ہے کہ دس لاکھ کی جماعت میں اگر دو آنے فی کس بھی چندہ لیا جائے تو سوا لاکھ کی رقم ہو سکتی ہے۔ پھر ہر ایک احمدی کو ایک ماہ کی آمدنی دینے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کہ جماعت کی تعداد آٹھ دس لاکھ بتائی جاتی ہے۔ بہت ممکن تھا کہ ایسا شبہ پیدا ہو اور عقلی طور پر اگر دیکھا جائے تو یہ شبہ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے۔ تو یہ شبہ ناواقفیت اور علم کی کمی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت کی تعداد دس لاکھ ہے۔ تو اس کا مفہوم یہ نہیں ہوتا کہ منتظم جماعت دس لاکھ کے قریب ہے لوگ اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ چونکہ ساری کی ساری جماعت منتظم نہیں اس لئے سب سے باقاعدہ چندہ وصول نہیں ہو سکتا۔ وہ خود ہی اپنے اخلاص سے کچھ دے دیں تو دے دیں۔ ورنہ ایک بڑے حصہ سے مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس تعداد میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں۔ اور ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو خود بخود کوئی حرکت نہیں کرتے بلکہ دوسروں کے اٹھائے اٹھتے ہیں۔ جب تک کوئی ان کے پاس پہنچے نہیں وہ کسی تحریک میں شامل نہیں ہوتے۔ اور بعض تو ایسے ہیں کہ ان کے پاس پہنچنا ہی مشکل ہے۔ پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت دس لاکھ کے قریب ہے تو اس سے دنیا کی ساری قوموں کے احمدی مراد ہوتے ہیں۔

پس اس میں وہ احمدی بھی شامل ہوتے ہیں جو افغانستان میں ہزاروں کی تعداد میں رہتے ہیں۔ ان سے یہ امید رکھنا کہ وہ چندہ دیں اور تحریکوں میں شامل ہوں۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ حکومت کابل کو اگر کسی کے احمدی ہونے کی خبر ملے تو اسے سنگسار کر دیا جاتا ہے۔ ان کے اوپر بہت بڑی حسن ظنی ہے۔ مگر معترض کو اس بات کا کوئی خیال نہیں آیا۔ پھر اس تعداد میں وہ بہت سی نئی جماعتیں بھی شامل ہیں کہ جنہوں نے ابھی ایمان کے چشمے پر ڈیرے ہی ڈالے ہیں۔ لیکن انہوں نے ابھی تک اس سے پانی نہیں پیا۔ ان سے بھی اس قسم کی قربانیوں کی امید رکھنا یا مطالبہ کرنا خلاف عقل ہے۔ پھر ان میں وہ جماعتیں بھی شامل ہیں جو سلسلہ کے کاموں سے ایک حد تک تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن ان پر بعض حالات کے ماتحت اتنا بوجھ ہے۔ اور مقامی ضروریات کے لئے ان کو اتنا کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے کہ جو ہماری موجودہ شرح چندہ سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس پر ان سے اگر اور

بھی چندے کا مطالبہ کیا جائے اور ان کو اپنے ماہواری چندوں میں شریک ہونے کے لئے مجبور کیا جائے تو ان پر بڑا بوجھ ہے۔ پھر بہت سی ایسی جماعتیں ہیں۔ جن کے مقامی اخراجات تبلیغ ماہواری چندوں سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ پس یہ ناممکن ہے کہ ایک تو وہ اپنے ملک میں تبلیغ کے لئے چندے دیں اور پھر ہمارے چندوں میں بھی شریک ہوں۔ خصوصاً جب کہ ہم بھی ان کے مقامی چندوں میں کوئی حصہ نہیں لیتے۔ یہ بات قطعاً عقل میں نہیں آسکتی۔

پھر اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں کہ جنہوں نے بیعت تو کی ہے لیکن بیعت کرنے کے بعد وہ غائب ہیں۔ اور ایسے علاقوں میں چلے گئے ہیں جن کا ہمیں پتہ نہیں۔ ایسے آدمی میرے نزدیک ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔ چنانچہ بعض دوستوں نے مجھے بعض مقامات سے خط لکھے کہ ہمیں یہاں آنے پر معلوم ہوا ہے کہ یہاں ایک بڑی جماعت ہے جو احمدی کہلاتی ہے۔ مگر وہ لوگ مرکز سے دوری کی وجہ سے ایسے بے خبر ہیں کہ ان کو یہ بھی پتہ نہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ فوت ہو گئے ہیں۔ اب ایسے احمدی جن کو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کا بھی پتہ نہیں ان سے چندے کون وصول کرے۔ پس اس تعداد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے کسی وقت بیعت تو کرلی لیکن پھر انہوں نے مرکز اور سلسلہ کے کاموں سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ وہ اپنی ایمانی کمزوری یا کسی مجبوری کی وجہ سے ہم تک نہیں پہنچ سکتے اور ہم ان سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ان تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان کی حالت اس کھیتی کی طرح ہے جس کی نگرانی اور حفاظت کے لئے کسان اس تک نہ پہنچ سکتا ہو۔ اگر اس میں کچھ نشوونما کی طاقت آئے بھی تو پھر وہیں مرجھا جائے گی۔ یہی حال مرکز سے تعلق نہ رکھنے والے احمدی ہو کر غائب ہو جانے والوں کا ہے۔ پھر اس تعداد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ایک ایک دو دو کر کے دور دور رہتے ہیں اور اس طرح سینکڑوں میلوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سے چندہ لینے کا ذریعہ یہی ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی ان کے پاس بھیجا جائے اور وہ ہر گاؤں میں پھر کر ان سے چندہ وصول کرے۔ لیکن اس طرح وصولی چندہ کا خرچ اصل چندے سے بھی بہت بڑھ جائے گا۔ ایسے منتشر اور مرکز سے تعلق نہ رکھنے والے لوگ "الفضل" کے خریدار تو ہوتے نہیں کہ اس میں تحریک پڑھ کر شامل ہو جائیں۔ اس لئے ان کے پاس آدمی بھیجنے کے سوا اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ اگر کسی سے دس روپے وصول ہوں گے تو ستر روپے وصولی کے لئے جانے والے کے کرایہ وغیرہ پر خرچ ہو جائیں گے۔ پس ایسے لوگوں کے پاس آدمی بھی نہیں بھیجا جا سکتا کہ جو ان سے چندہ وصول کرے پھر جو حصہ منتظم جماعت کا ہے۔ اس میں بھی ایسے کمزور لوگ

ہیں کہ سیکرٹری اور پریذیڈنٹ متواتر اور بار بار ان کے پاس جاتے ہیں مگر پھر بھی وہ چندہ میں شریک نہیں ہوتے۔ جیسا کہ یہی دو صاحب جنہوں نے مجھے خط لکھا ہے۔ ایک کی نسبت تو وہاں کے امیر نے لکھا ہے کہ ہم بار بار ان کے پاس گئے۔ مگر انہوں نے چندہ دینا منظور نہ کیا۔ اور دوسرے صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اس تحریک میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اس حالت میں ان کا فرض تھا کہ چندہ دینے والے احمدیوں کی تعداد کا اندازہ لگاتے وقت اپنے جیسے کمزور ایمان والوں کو بھی اس میں سے نکال لیتے پھر وہ اپنے شہر کی نسبت لگا کر ہر شہر کی منتظم جماعت کے کمزوروں کو معلوم کر لیتے۔ اس طرح باقی منتظم جماعت اتنی ہی رہ جاتی ہے کہ وہ ایک مہینے کی آمدنی دے کر بمشکل اس رقم کو پورا کر سکتی ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ نہ تو ہمیں ان غیر ممالک کی جماعتوں سے کچھ وصول ہو سکتا ہے۔ جن کی مقامی ضروریات اور اخراجات ہی ان ماہواری چندوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور نہ ہمیں ان احمدیوں سے کوئی چندہ وصول ہو سکتا ہے جنہوں نے احمدی ہو کر پھر مرکز سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ اور نہ ان سے ہمیں کچھ امید ہو سکتی ہے جو کہ چندہ دینے سے ہی منکر ہیں۔ کیونکہ کوئی پولیس تو ہے نہیں کہ جس کے ذریعے ان سے وصول کیا جائے۔ اور نہ ان سے ہمیں کچھ وصول ہو سکتا ہے جو بیعت کر کے پھر غائب ہو گئے اور ان کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ اور نہ ان سے جو ایک ایک دو دو کر کے سینکڑوں میلوں کے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ اور بغیر آدمی بھیجے ان سے کچھ وصول نہیں ہو سکتا۔ اور آدمی بھیجا جائے تو اس کا خرچ چندہ کی وصولی سے بہت بڑھ جاتا ہے۔ نہ ہی ان کے پاس کوئی اخبار جاتا ہے کہ وہ پڑھ کر چندوں کی تحریکوں میں شامل ہوں۔ پس خیالی طور پر تو یہ ذریعہ چندے کی وصولی کا بہت عمدہ نظر آتا ہے کہ جب جماعت کی تعداد دس لاکھ ہے تو دو آنے فی کس چندہ وصول کرنے سے سوا لاکھ روپیہ جمع ہو سکتا ہے۔ لیکن غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال بالکل ناواقفی اور کم علمی کا نتیجہ ہے۔ یہ خیال بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شخص نے حضرت خلیفہ اول سے کچھ مانگا۔ آپ نے فرمایا ہم غریب آدمی ہیں۔ ہر وقت ہمارے پاس روپیہ نہیں ہوتا۔ مانگنے والے نے جواب میں کہا۔ آپ غریب کس طرح ہو سکتے ہیں۔ آپ کے پانچ لاکھ مرید ہیں۔ اگر چار چار آنے ماہوار بھی فی آدمی آپ کو نذرانہ دے۔ تو سوا لاکھ روپیہ آپ کے پاس جمع ہو سکتا ہے۔ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا اوروں کو تو آپ جانے دیں۔ آپ بھی تو میرے مرید کہلاتے ہیں۔ آپ بتائیں آپ نے مجھے آج تک کتنی چونیاں بطور نذرانہ دی ہیں۔ یہی حال آپ دوسروں کا قیاس کر لیں۔ پس خیال میں تو یہ تجویز عمدہ اور ممکن نظر آتی ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا ہونا ممکن

نہیں ہے۔ بلکہ جو منتظم جماعتیں ہیں ان سے بھی ایسے چندے خاص جدوجہد کے بعد جا کر وصول ہو سکتے ہیں۔

اس شبہ کے علاوہ ایک دوسرا سوال بھی ہے۔ جو اس وقت تو کسی نے پیش نہیں کیا۔ لیکن وہ ایک دفعہ شوریٰ میں پیش ہوا تھا۔ کہ اگر اس طرح چندے دیئے جائیں گے تو جماعت کو ترقی کس طرح حاصل ہو گی اور وہ بڑھے گی کیسے۔ پہلا سوال جو تھا وہ تو ناواقفی اور کم علمی کا نتیجہ تھا۔ لیکن یہ سوال کمئی ایمان کا نتیجہ ہے اور اسی طرح جہالت اور ناواقفی کا بھی نتیجہ ہے۔

دراصل ترقی دو قسم کی ہوتی ہے ایک فردی، کہ قوم کا کوئی فرد بڑھ جاتا ہے۔ اور ترقی کر جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے محنت کر کے علم پڑھا اور وہ مشہور عالم فاضل ہو گیا یا کوئی بڑا عہدہ اس کو مل گیا۔ یا تجارت میں بہت بڑھ گیا۔ یہ فردی ترقی کہلاتی ہے۔ اور ایک ترقی قومی ہوتی ہے۔ جیسے انگریزوں کی قوم کو قومی ترقی حاصل ہے۔ اور جو عزت قومی ترقی میں ہوتی ہے وہ فردی ترقی میں ہرگز نہیں ہوتی۔ بعض ہندوستانی انفرادی طور پر اتنے مالدار ہیں کہ سو سو انگریزوں کو نوکر رکھ سکتے ہیں۔ لیکن انگریزوں کی قومی ترقی کی وجہ سے جتنی عزت ان نوکر انگریزوں کی ہو سکتی ہے اتنی عزت اس نوکر رکھنے والے کروڑ پتی کی نہیں ہو گی۔ کیوں اس لئے کہ انگریزوں کو قومی عظمت اور ترقی حاصل ہے۔

اسی لحاظ سے انگریزوں کو یہ عزت حاصل ہے کہ اگر کوئی ان میں سے دنیا کے کسی حصہ میں مارا جائے۔ تو اس کا بدلہ لینے کے لئے سب سے بڑے جنگی جہازوں اور بیڑے اور سب سے زیادہ کھلے منہ والی توپیں انگریزوں کی طرف سے وہاں جا پہنچیں گی۔ اور خواہ کوئی امیر ہو یا کوئی حکومت۔ اس سے مطالبہ کریں گے کہ یا تو وہ ان کے آدمی کی موت کی تلافی کرے۔ یا پھر جنگ کے ذریعے اس کو تباہ و برباد ہونا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک انگریز کو کسی ملک میں بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اس کے پیچھے اس کی حفاظت کرنے والی قوم موجود ہے اور غیر حکومتیں جانتی ہیں کہ پھر ان کو جنگ کرنی پڑے گی۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ہندوستانی کروڑ پتی ہو کر اور انگریزوں کو اپنا نوکر رکھ کر بھی بالکل ذلیل ہے اور اس کی کوئی عزت نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کے نوکر انگریز کو تو قومی عزت حاصل ہے اور اس کو انفرادی عزت حاصل ہے۔ اور اس قومی عزت کے فقدان اور کمی کی وجہ سے انگلستان کے ایک جھاڑو دینے والے کے برابر بھی اس کی عزت نہیں ہے۔

تو جس طرح ترقی اور عزت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک فردی اور ایک قومی۔ اسی طرح

قربانیاں بھی دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک فردی اور ایک قومی۔ فردی ترقی میں بھی ایک انسان اپنی راتیں اپنا آرام قربان کر کے علم حاصل کرتا ہے۔ اور پھر وہ جج بنتا ہے۔ یا کوئی اور بڑا عہدہ اس کو مل جاتا ہے۔ یا اس نے تجارت کی اور اپنی عقل اور خرد سے اسے اس طرح چلایا کہ وہ کروڑپتی ہو گیا اور اپنی ذات میں اس نے ترقی حاصل کرلی۔ جس سے بہت بڑی عزت پا گیا۔ لیکن ایک اور شخص ہے جس نے اپنا وقت اپنی راتیں اپنا آرام قربان کر کے علم حاصل کیا۔ اگر وہ چاہے تو ذاتی طور پر اس کو بڑے بڑے عہدے مل سکتے ہیں اور وہ کافی ترقی کر سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنے فوائد کو قوم کے لئے قربان کر دیتا ہے۔ اسے خیال آتا ہے کہ میرے ملک میں تعلیم نہیں۔ وہ انگلستان سے اس امر میں بہت پیچھے ہے۔ اپنی تعلیم پر ہزاروں روپیہ خرچ کرنے کے بعد اپنے گاؤں میں آکر مدرسہ کھول دیتا ہے اور اس بات پر راضی ہو جاتا ہے کہ گاؤں کے لوگ ایک پرائمری سکول کے معلم کی طرح اس کو روٹی کپڑا دے دیں۔ اس گاؤں کے لڑکوں کو تعلیم دینی شروع کر دیتا ہے۔ اور اس طرح ان کو اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیتا ہے۔ گو اس قربانی کا فائدہ اس کی اپنی ذات کو نہیں ملے گا۔ لیکن آئندہ نسلیں یہ ضرور کہیں گی کہ یہ گاؤں بڑے تعلیم یافتہ لوگوں کا گاؤں ہے اور ان لوگوں کو خاص عزت اور وقعت کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ اس طرح اس کی قربانی کا فائدہ اس کی ذات کو نہیں ملے گا۔ لیکن اس کی قربانی کی وجہ سے اس کے گاؤں کے لوگوں کو قومی عزت ضرور حاصل ہو جائے گی۔

ایک بوڑھے کی ایک حکایت مشہور ہے۔ کہ وہ کوئی ایسا درخت لگا رہا تھا۔ جو تیس چالیس سال کے بعد پھل دیتا تھا۔ بادشاہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے کہا بوڑھے تو ایسا درخت لگا رہا ہے۔ جس کے پھل دینے سے پہلے تو مر جائے گا۔ پھر تجھے اس کے لگانے کا کیا فائدہ۔ بوڑھے نے کہا۔ بادشاہ سلامت اگر ہمارے بزرگ یہی خیال کر کے کوئی درخت نہ بوتے تو آج ہم ان کا پھل کھانے سے محروم رہتے۔ انہوں نے بویا۔ تو ہم نے کھایا۔ ہم بوئیں گے تو ہماری نسلیں کھائیں گی۔ بادشاہ کو اس کی یہ بات بہت پسند آئی۔ اور اس نے کہا زہ۔ بادشاہ نے اپنے وزیر کو یہ کہہ رکھا تھا کہ میں جس کی بات پر زہ کہا کروں تم اسے چار ہزار روپے کی تھیلی انعام دے دیا کرو۔ چنانچہ جب بادشاہ نے زہ کہا۔ تو وزیر نے چار ہزار کی تھیلی بوڑھے کے آگے رکھ دی۔ اس پر بوڑھے نے کہا۔ آپ تو کہتے تھے کہ یہ درخت میری زندگی میں پھل نہیں دے گا۔ مگر دیکھئے اس نے تو مجھے لگاتے لگاتے ہی پھل دے دیا۔ اس پر بادشاہ نے پھر زہ کہا اور وزیر نے پھر ایک تھیلی بوڑھے کو دے دی۔ اس پر بوڑھے نے کہا دیکھئے بادشاہ سلامت یہ کیسا عجیب درخت ہے۔ اور درخت تو سال میں ایک دفعہ پھل دیتے

ہیں۔ اس نے مجھے دو دفعہ پھل دیئے ہیں۔ اس پر بادشاہ نے پھرزہ کہا۔ اور وزیر نے تیسری تھیلی اس کو دے دی۔ آخر بادشاہ نے کہا۔ یہاں سے چلو۔ یہاں سے چلو۔ یہ بوڑھا تو ہمارا خزانہ خالی کرا لے گا۔[له]

اس قصے میں خواہ وہ واقعہ میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ حقیقت میں ایک بہت بڑا سبق ملتا ہے۔ کہ پہلوں نے قربانیاں کیں۔ جن کا ہم نے پھل کھایا۔ ہم قربانیاں کریں گے تو آئندہ نسلیں فائدہ اٹھائیں گی۔ اور درحقیقت اصلی قربانی وہی ہے۔ جو قوم کے لئے کی جائے۔

دیکھو رسول کریم ﷺ نے اپنی قربانیوں سے ذاتی فائدہ کونسا حاصل کیا۔ ایک نادان اور جاہل کہہ سکتا ہے کہ آپ بادشاہ ہو گئے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس بادشاہت سے آپ کو کیا فائدہ پہنچا۔ یہی نہ کہ آپ کا غم اور بھی بڑھ گیا۔ پہلے اگر چند لوگوں کا آپ کو غم و فکر ہوتا تھا۔ تو پھر ہزاروں کا ہو گیا۔ ہاں اگر رسول کریم ﷺ کروڑوں روپیہ جمع کر لیتے۔ یا عمدہ عمدہ محل اور باغات اور جائدادیں اور ہر قسم کے آرام اور آسائش کے سامان اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے مہیا کر لیتے تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ انہوں نے اپنی قربانیوں کے بدلے میں بادشاہت حاصل کی۔ لیکن علمی طور پر دنیا جانتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی روپیہ اور جائیداد پیدا نہیں کی۔ غرض قومی ترقی کے لئے قربانی کرنے والے خود غم کھاتے۔ حتیٰ کہ قوم اور جماعت اور سلسلہ کی ترقی کی کوشش میں ہی فوت ہو جاتے ہیں اور ان کی اپنی ذات کو اس کا کوئی ثمرہ نہیں ملتا۔ بسا اوقات وہ اپنی زندگی میں اپنی قربانیوں کا پھل آپ بھی کھا لیتے ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کا خاص انعام ہوتا ہے۔ ورنہ انہیں تو انعام زیادہ سے زیادہ بہتر صورت میں اگلے جہان میں ملتا ہے۔ اور ان کے بعد ان کی نسل اور ان کی قوم کو دنیا میں حاصل ہوتا ہے۔ تو اصل قربانی یہی ہے۔

دیکھو ایک کسان قحط کے زمانہ میں کس دلیری کے ساتھ گھر سے غلہ نکال کر مٹی میں ملا دیتا ہے۔ کوئی بیوقوف کہہ سکتا ہے۔ کہ اس نے غلہ کا نقصان کر دیا۔ لیکن وہ بیج ہوتا ہے۔ جو بہت بڑھ چڑھ کر پھل لاتا ہے۔ جو غلہ کھیت میں ڈالا گیا بے شک وہ مٹی میں مل گیا اور بہتوں کی نظر میں وہ ضائع ہو گیا۔ اور اس کو کیڑوں نے کھا لیا۔ لیکن ایک عقلمند کے نزدیک وہ مٹا نہیں نہ ضائع ہوا۔ بلکہ اس ایک دانہ کے مرنے اور مٹنے نے کئی دانے پیدا کر دیئے۔ پس اگر ایک زمیندار اس طرح غلہ مٹی میں ملانے سے نادان نہیں کہلا سکتا اور اس کا نقصان نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا اس طرح اور بھی غلہ بڑھتا ہے اور ایک کی بجائے سو یا ہزار دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو اس شخص کی قربانی کی قیمت کم

کس طرح ہو سکتی ہے۔ جو قوم کے لئے کوئی قربانی کرتا ہے۔ اور وہ کس طرح نادان کہلا سکتا ہے جو قوم کی خاطر اپنے فوائد قربان کرتا ہے۔ خواہ اس کو اپنی قربانی کا فردی نفع حاصل نہ ہو۔ تاہم اس کی قربانی کے نتیجہ میں سینکڑوں اور ہزاروں اس کی قوم اور جماعت کے لوگ عزت اور ترقی حاصل کرجائیں گے۔ ایک نادان کی نگاہ میں اس کی قربانی تباہ کن نظر آئے گی۔ لیکن درحقیقت وہ تباہ کن نہیں ہو گی۔ اس کی قربانی قومی ترقی کے لئے ایک بیج ہو گی۔ دیکھو اگر ایک سائنسدان کی زندگی کا انحصار صرف اس بات پر نہیں ہوتا کہ وہ فروی ترقی حاصل کرے۔ بلکہ وہ اپنی زندگی کو اپنے علم کے ذریعے قوم کو نفع پہنچانے میں صرف کر دیتا ہے اور دنیا اس کے اس فعل کو تباہ کر دینے والا نہیں سمجھتی۔ تو پھر قوم کی خاطر جو قربانی کرتا ہے وہ کیونکر محروم اور نامراد ہو سکتا ہے۔ پھر ایک سائنسدان تو اس دنیا میں ہی اس سائنس سے فروی نفع حاصل کرتا ہے اور اگلے جہان میں اس کو اس کا کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔ یا اس کی قوم صرف اسی دنیا میں اس کی قربانی اور ایثار سے فائدہ حاصل کرتی ہے۔ لیکن باوجود اس کے اس کی قربانی اور کوشش کو کوئی بیوقوفی نہیں سمجھتا - بلکہ دنیا اسے ایک نعمت سمجھتی ہے۔ تو پھر وہ شخص جو دین کی تائید اور اشاعت کے لئے قربانی کرتا ہے۔ وہ کس طرح بیوقوف کہلا سکتا ہے۔ کہ جس کے نفع سے مرنے کے بعد بھی وہ فردی طور پر محروم نہیں رہتا۔ اور اس کی قوم بھی فائدہ حاصل کرتی ہے۔ جو نادان سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے والے اپنا سب کچھ تباہ کرتے ہیں مگر درحقیقت وہی سب کچھ پاتے ہیں۔ دیکھو قرآن کریم میں سورۂ فاتحہ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الحمد للہ رب العالمین الرحمان الرحیم ملک یوم الدین**- اس میں خدا تعالیٰ نے اپنی چار صفات کے ماتحت انسان کے چار درجوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلے صفت ربوبیت کا ذکر کیا ہے۔ جو کہ انسان کو پیدا اور پھر اس کی اس طرح نشوونما کرتی ہے جس سے کہ وہ کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور قومی کاموں میں متصرف ہوتا ہے۔ جب یہ مقام اس کو حاصل ہو جاتا ہے۔ تو پھر صفت رحمانیت کا ظہور ہوتا ہے۔ یعنی ربوبیت کے بعد اپنی رحمانیت سے ترقی کے آلات اور مصالحہ پیدا کرتا ہے۔ جس سے کہ انسان کام لے۔ چونکہ خدا تعالیٰ رحمان ہے۔ اس لئے ربوبیت کے بعد انسان کے کام کرنے کے لئے سامان پیدا اور مہیا کرتا ہے۔ پھر ربوبیت اور رحمانیت کے بعد اس امر کی ضرورت ہے کہ انسان کا کام ضائع نہ جائے۔ اس لئے وہ رحیم ہے۔ کہ انسان کے کاموں کے نیک نتائج پیدا کرتا ہے۔ رحیمیتِ انسان کی فردی ترقی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ جس سے کہ انسان فردی طور پر اپنے کاموں کے نیک نتائج حاصل کرتا ہے اور فردی طور پر اس کی اپنی ذات کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن بعض

اوقات انسان فردی نفع حاصل نہیں کر سکتا اور وہ مرجاتا ہے۔ اس لئے فرمایا ہم مالک یوم الدین بھی ہیں یعنی ایک دن ایسا بھی مقرر ہے۔ کہ جو قوموں کی جزا اور سزا کا دن ہے۔ اس وقت فردی طور پر ہی بدلہ دیا جائے گا۔ تو رحیمیت افراد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور مالکیت تمام قوم کے کاموں کے بدلے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ رحیمیت کو پہلے بیان فرمایا۔ جو افراد کے ذاتی کاموں کے بدلے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور پھر انتہائی درجے کا ذکر فرمایا۔ جو قومی قربانی کے فوائد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور ہر ایک انسان جانتا ہے۔ کہ فردی فوائد سے قومی فوائد زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو تمدنی اور سیاسی امور کی ناواقفی اور کمزوری ایمان اور ان کے بد نتائج سے محفوظ رکھے اور ہمیں ہر قسم کی قربانیاں خواہ وہ فردی ترقی کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں اور خواہ قومی ترقی کے ساتھ ان کے کرنے کی توفیق عطا فرماوے اور ان کے بہتر سے بہتر نتائج پیدا ہوں۔ آمین

(الفضل ۱۴ مارچ ۱۹۲۵ء)

ا۔ مجانی الادب فی حدائق العرب جزو ثانی ص ۱۶۴